امام موسی کاظم علیه السلام

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت کا دور

تاریخ اسلام کے سال ۱۴۸ ہجری سے لے کر سال ۱۸۳ ہجری تک کے اس پینتیس (۳۵) سالہ دورانیے، یعنی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے دورِ امامت کا شمار ائمہ معصومین علیہم السلام کی زندگی کے ایک اہم ترین دور میں سے ہوتا ہے۔ اِس عرصے میں بنو عباس کے دو مقتدر ترین خلفاء (منصور دوانیقی اور ہارون عباسی) اور دو جابر ترین خلفاء (مہدی عباسی اور ہادی عباسی) نے حکومت کی۔ بنو عباس نے اِس عرصے میں اپنی حکومت کے خلاف خراسان، افریقہ، جزیرۂ موصل، دیلمان، جرجان، شام، نصیبین، مصر، آذربائیجان، ارمنستان اور دوسرے علاقوں میں اُٹھنے والی شورشوں اور بغاوتوں کو سختی کے ساتھ کچل کر انہیں اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا لیا تھا اور انہوں نے اپنی سلطنت کے مشرقی، مغربی اور شمالی علاقوں کو اسلامی مملکت کے وسیع قلمرو میں داخل کر لیا تھا اور اِن مفتوحہ علاقوں سے حاصل ہونے والے غنائم اور دوسرے محصولات نے بنو عباس کی سلطنت کو مزید استحکام بخشا تھا۔

اِس دور میں بہت سی نظریاتی اور عقیدتی تحریکیں اپنے عروج پر پہنچی ہوئی تھی، جبکہ بہت سی تحریکوں نے اسی دور میں جنم لیا تھا۔ لوگوں کے اذہان اختلافی باتوں سے بھرے ہوئے تھے اور یہ چیز جہاں ایک طرف حکمرانوں کے لیے بہترین موقع فراہم کرتی تھی تو دوسری طرف ایک آفت کی صورت میں صحیح اسلامی معارف اور تعلیمات کا پرچار کرنے والوں کے سامنے ایک رکاوٹ بن گئی تھی اور صحیح اسلامی معارف اور علوی تحریک کی طرف دعوت دینے والوں کے لیے میدان تنگ ہو چکا تھا۔

شعر و ہنر، فقہ و حدیث یہاں تک کہ زُہد و تقویٰ جیسی صفات بھی اربابِ اقتدار کی خدمت پر کمربستہ ہو چکی تھیں اور مکمل طور پر یہ اربابِ اقتدار کے ہاتھوں ایک کھلونے کی شکل اختیار کر چکی تھیں۔ اس وقت نہ تو بنی اُمیہ کے آخری دورِ خلافت کی طرح کوئی حکومت مخالف تحریک زوروں پر تھی اور نہ ہی بنو عباس کے ابتدائی دس

سالہ دورِ خلافت کی طرح اور نہ ہی ہارون عباسی کی موت کے بعد کے زمانے کی طرح کہ جب مسلط حکومت کو کسی نہ کسی قسم کا خوف لاحق رہتا تھا، کوئی ایسا سنگین خطرہ خلافت کی بنیادوں کو لاحق نہیں تھا، جو خلیفۂ وقت کو اہل بیتؑ کی گہری اور مسلسل دعوت سے غافل کر سکے۔

اِس دور میں ایک ہی بات جو اہل بیتؑ اور ان کے سچے پیروکاروں کی نظریاتی اور سیاسی جنگ اور جدّ و جہد کو تسلسل کے ساتھ آگے بڑھا سکتی تھی، وہ اِن بزرگوار ہستیوںؑ کی انتھک محنت، سخت تلاش و کوشش اور اس الٰہی شیوہ، یعنی تقیہ سے متوسّل ہونا تھا۔ یہاں سے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے جہاد کی حیرت انگیز عظمت اور ہیبت آشکار ہوتی ہے۔

میں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ مؤرّخین کو تاریخ اسلام قلمبند کرتے وقت حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے حالات زندگی کے جس پہلو پر ہوشیاری کے ساتھ سب سے زیادہ توجہ دینی چاہیے تھی جبکہ اتنی توجہ نہیں دی گئی، وہ آپؑ کی زندگی کا عظیم اور بے نظیر ''طویل المدّت اسیری'' کا پہلو اور واقعہ ہے، جس کے نتیجے میں مؤرّخین آپؑ کے اس عظیم جہاد سے غافل رہے ہیں۔

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے ۳۵ سالوں پر محیط اِس دورِ امامت میں آپؑ کی مسلسل جدّ و جہد اور جہاد، آپؑ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں، واقعات اور آپؑ کی علمی و روحانی زندگی، آپؑ کا الٰہی مقام، آپؑ کا خاندان، اصحاب اور شاگردوں سے متعلق واقعات اور اُن کے علمی اور کلامی مباحثوں کے تذکروں اور اِس قسم کی دوسری چیزوں کو بیان کیے بغیر آپؑ کے حالاتِ زندگی کا مکمل احاطہ ممکن نہیں ہو سکتا، بلکہ اس طرح کا زندگی نامہ ناقص اور نامکمل رہ جائے گا۔ یہ آپؑ کی بابرکت زندگی کا وہ حصّہ ہے جس کی وضاحت کے ذریعے آپؑ کی حیات کے مختلف پہلوؤں کو ایک دوسرے سے جوڑ کر ایک ایسی مکمل اور واضح تصویر پیش کی جا سکتی ہے جس میں آپؑ کی حیات کے ہر واقعے کی حقیقت کو بیان کیا جا سکے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مفضلؒ سے یہ کیوں فرماتے ہیں کہ: اِس جوان کی امامت کے بارے میں صرف قابلِ اعتماد لوگوں کو بتایا کرو؟ اور عبدالرحمن ابن حجاج کو واضح طور پر بتانے کے بجائے اشاروں کنایوں میں فرماتے ہیں کہ: کیا زرہ ان کے جسم پر برابر آئی ہے؟ اور اپنے انتہائی قریبی اصحاب جیسے صفوان جمالؒ کے سامنے آپؑ کا علامتوں اور نشانیوں کے ساتھ تعارف کراتے ہیں؟ یہاں تک کہ اپنے وصیت نامے میں اپنے فرزند (امام موسیٰ کاظم علیہ السلام) کا نام بطورِ وصی، چار دوسرے لوگوں کے بعد درج کرتے ہیں کہ جن میں سب سے پہلا نام منصور عباسی کا اور اس کے بعد حاکمِ مدینہ کا اور اس کے بعد دو عورتوں کے نام ہیں؛ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت کے بعد شیعہ اکابرین کے ایک بڑے طبقے کو بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ آپؑ کے جانشین یہی بیس (۲۰) سالہ جوان ہیں؟ کیوں ہارون عباسی کے ساتھ اپنی ایک گفتگو کے دوران جب وہ آپؑ کے بھتیجے کا قول نقل کرتا ہے کہ ''خَلِيْفَتَانِ يَجِيءُ اِلَيْهِمَا الْخَرَاجِ'' تو آپؑ نرم انداز میں گفتگو کرتے ہوئے انکار آمیز رویّہ اپناتے ہیں؟ لیکن اس سے کچھ ہی دیر پہلے حسن ابن عبد اللہ نامی ایک زاہد اور پرہیزگار شخص سے گفتگو کے دوران امام کی معرفت کے حوالے سے بات کرتے ہوئے خود کو ''مُفْتَرَضُ الطَّاعَة'' امام و پیشوا، یعنی اِس مقام کے حامل کے طور پر تعارف کرواتے ہیں کہ جس پر اُس وقت عباسی خلیفہ براجمان تھا؟

کیوں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے ایک چاہنے والے شخص ''علی ابن یقطین'' کو جو ہارون کے دربار میں ایک اہم عہدے پر فائز تھے، تقیّہ پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں، جبکہ صفوان جمال کی اسی دربار کی خدمت کرنے پر اُن کی سرزنش کرتے ہوئے خلیفہ کے ساتھ تعلقات منقطع کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ کس طریقے سے اور کن ذرائع سے وسیع و عریض اسلامی ریاست میں اپنے چاہنے والوں اور پیروکاروں کے ساتھ رابطہ برقرار کیے ہوئے ہیں جو چین تک پھیلا ہوا ہے؟

آخر کیوں منصور، مہدی، ہادی اور ہارون عباسی میں سے ہر ایک اپنے دورِ اقتدار میں امامؑ کو قتل، قید اور جلاء وطن کرنے پر کمربستہ ہو جاتا ہے؟ آخر بعض روایات سے یہ کیوں معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ اپنے پینتیس (۳۵) سالہ دورِ امامت میں بعض

اوقات شام کے دیہاتوں، قصبوں یا طبرستان کے بعض علاقوں میں روپوشی کی زندگی گزارتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں؟ اور خلیفۂ وقت آپؑ کی تلاش میں رہتا ہے اور امامؑ اپنے دوستوں اور پیروکاروں کو یہ تاکید فرماتے ہیں کہ اگر خلیفہ میرے بارے میں پوچھے تو اُس سے کہیں کہ ہم امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو نہیں جانتے ہیں یا کہیں کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اِس وقت آپؑ کہاں ہیں؟

آخر کیا وجہ ہے کہ ہارون ایک مرتبہ سفر حج کے دوران بہت زیادہ شان و شوکت کے ساتھ آپؑ کا احترام کرتے ہوئے، خاطر مدارت کرتا ہے تو دوسری مرتبہ کے سفر میں آپؑ کو گرفتار کرتے ہوئے جلاء وطن کرنے کا حکم دیتا ہے؟ اور کیوں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ہارون کے دورِ خلافت کی ابتداء میں جبکہ ہارون نے نرم رویّہ اختیار کیا ہوا تھا اور علویوں کو قید سے رہا بھی کر رہا تھا، باغِ فدک کی حدود بیان کرتے ہوئے وسیع و عریض اسلامی ریاست کے تمام علاقوں کو اس میں شامل قرار دیا؛ یہاں تک کہ خلیفہ کو اعتراض کرتے ہوئے یہ کہنا پڑا کہ: تو پھر آپؑ آ جائیں اور میری جگہ بیٹھ جائیں؟ اور کیوں اسی مہربان خلیفہ کا رویّہ کچھ ہی سالوں بعد اِس قدر تلخ اور سخت ہو جاتا ہے کہ آپؑ کو زندان میں ڈال دیتا ہے اور سالہا سال قید رکھنے کے بعد قید خانے میں بھی آپؑ کا وجودِ مقدس اُس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو جاتا ہے اور وہ انتہائی سفّاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپؑ کو زہر دے کر شہید کرا دیتا ہے؟

اِس قسم کے دوسرے سینکڑوں توجہ طلب، پُرمعنی اور بظاہر آپس میں بے ربط اور کبھی تو آپس میں متضاد واقعات سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زندگی بھری ہوئی ہے اور یہ واقعات اس وقت بامعنی اور مربوط ثابت ہوں گے جب ہم اِس عظیم امامؑ کی امامت کے آغاز سے لے کر شہادت تک کی زندگی کے تمام واقعات کا تسلسل کے ساتھ جائزہ لیں۔ یہ چیز وہی ائمہ معصومین علیہم السلام کی ڈھائی سو سالہ زندگی کے دوران جہاد اور مبارزہ آرائی سے عبارت ہے جو ہر دور میں مختلف شکل اور مختلف انداز میں جاری رہی ہے اور اس کا پہلا ہدف و مقصد؛ خالص اسلامِ محمدیؐ کی تبیین و تشریح، قرآن کی صحیح و واقعی تفسیر اور اسلامی معارف کی واضح و روشن تصویر پیش کرنا ہے اور دوسرا ہدف و مقصد؛ اسلامی معاشرے میں

امامت اور سیاسی حاکمیت کے مسئلے کو (بہترین اور صحیح انداز سے) اُجاگر کرنا ہے اور تیسرا ہدف و مقصد؛ اس معاشرے کی تشکیل کے لیے سعی و کوشش کرنا ہے جس کے وجود میں لانے کے لیے پیغمبر عظیم الشان اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے انبیائے الٰہی علیہم السلام مبعوث ہوئے؛ یعنی (معاشرے میں) عدل و انصاف کا قیام اور دشمنانِ خدا کو تختِ حکومت و سلطنت سے برطرف کرتے ہوئے، اُن کی جگہ حقیقی الٰہی خلفاء اور خداوند متعال کے نیک و صالح بندوں کو (لوگوں کی) زندگی کے تمام اُمور کی باگ ڈور سپرد کرنا ہے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی اِسی مقدّس جہاد کے لیے وقف کر رکھی تھی، آپؑ کا درس و تدریس، تعلیم و تربیت، فقہ، حدیث اور تقیہ سب کا محور یہی تھا۔ البتہ آپؑ کا دور بعض امتیازی خصوصیات کا حامل بھی تھا، پس اِس لحاظ سے آپؑ کا جہاد بھی اپنے زمانے کے تقاضوں کے عین مطابق تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے لے کر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام تک ہمارے آٹھ اماموںؑ میں سے ہر ایک نے اپنے زمانے کے مخصوص حالات کے مطابق اپنا جہاد جاری رکھا۔ مجموعی طور اِن آٹھ اماموں کا دور ہمارے ائمہ اطہار علیہم السلام کی ڈھائی سو سالہ دورِ حیات کے چوتھے مرحلے کو تشکیل دیتا ہے کہ جو خود بھی کئی مرحلوں میں تقسیم ہوتا ہے۔

(۱۸-۱۰-۱۹۸۹ء)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زندگی میں تقیہ کا اصول اور انتھک جدّ و جہد

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زندگی ایک حیرت انگیز اور تعجّب آور زندگی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ امامؑ کی خصوصی زندگی کے حالات سے صرف آپؑ کے قریبی لوگ ہی باخبر تھے۔ آپؑ کے قریبی رشتہ داروں اور اصحاب میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جو یہ نہ جانتا ہو کہ امامؑ کی جدّ و جہد کا مقصد کیا ہے۔ خود امامؑ اپنے ارشادات اور اشاروں کنایوں میں لوگوں کو یہ سمجھاتے رہتے تھے کہ آپؑ کا مقصد کیا ہے۔ یہاں تک کہ امامؑ کی رہائشگاہ، یعنی وہ حجرہ جس میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام قیام فرماتے تھے وہ ایسا تھا کہ راوی (جس کا تعلق امامؑ کے قریبی اصحاب میں سے ہے) کہتا ہے کہ میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

کے حجرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ اس میں تین چیزیں رکھی ہوئی تھیں؛ ایک سخت قسم کا کھردرا لباس، جو عام قسم کے آرام دہ لباسوں کے برعکس ہوتا ہے، یعنی آج کی اصطلاح میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک جنگی لباس، جس کو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے پہنا ہوا تو نہیں تھا لیکن ایک علامت کے طور پر حجرے میں رکھا ہوا تھا اور دوسری چیز ''سَیْفٌ مُعَلَّقٌ'' یعنی ایک تلوار تھی جو چھت یا دیوار کے ساتھ لٹکی ہوئی تھی اور تیسری چیز ''مُصْحَف'' یعنی قرآن کریم رکھا ہوا تھا۔

قارئین کرام! آپ غور کیجئے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اِس مخصوص حجرے میں، جہاں آپؑ کے قریبی اصحاب کے علاوہ کوئی اور نہیں جا سکتا، وہاں آپؑ نے کتنی خوبصورت چیزیں علامت کے طور پر رکھی ہوئیں تھیں۔ یہ چیزیں خود بتاتی ہیں کہ یہ ایک نظریاتی قسم کے جنگجو مجاہد انسان کا حجرہ ہے۔ تلوار کی موجودگی اِس بات کی علامت ہے کہ آپؑ جہاد کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جنگی لباس کی موجودگی اِس بات پر شاہد ہے کہ آپؑ کی زندگی ایک سخت قسم کی جنگی اور انقلابی زندگی ہے اور قرآن کریم کی موجودگی اِس بات کی نشانی ہے کہ آپؑ اپنی زندگی کو قرآنی اصولوں کے مطابق گزارنا چاہتے ہیں۔ پس اس مقصد کے حصول کے لیے ان وسائل سے استفادہ کرتے تھے جس کے نتیجے میں سختیاں اور تکالیف بھی جھیلتے تھے، البتہ اماؑم کے دشمنوں کو بھی اِس بات کا کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور تھا۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زندگی یعنی آپؑ کی امامت کا آغاز ایک مشکل ترین زمانے میں ہوا۔ میرے خیال میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے علاوہ دیگر ائمہ اطہار علیہم السلام کی زندگیوں میں ایسا سخت دور کبھی نہیں آیا تھا۔ جب سال ۱۴۸ ہجری میں اپنے والدِ گرامی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام منصبِ امامت پر فائز ہوئے تو اُس وقت صورتِ حال یہ تھی کہ بنو عباس اپنی خلافت کی ابتداء میں پیدا ہونے والے داخلی اختلافات اور آپس کی جنگوں سے فراغت پا چکے تھے۔ بڑے بڑے سرکشوں اور باغیوں کو جن کی طرف سے اُن کی حکومت کو خطرات لاحق تھے، جیسے بنی الحسن، محمد ابن عبد اللہ ابن حسن، ابراہیم ابن عبد اللہ ابن حسن

اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی اولاد میں سے دیگر افراد کہ جن کا شمار بنو عباس کی حکومت کے سخت ترین مخالفین میں ہوتا تھا، ان سب کی سختی کے ساتھ سرکوبی کرنے کے بعد، انہیں خاموش کر دیا گیا تھا۔ بہت سے حکومت مخالف سرداروں اور سرکشوں کو بنو عباس نے قتل کرکے ان کی لاشوں کو ایک مخصوص اسٹور میں جمع کیا ہوا تھا جس کے بارے میں منصور عباسی کے مرنے بعد پتہ چلا کہ اُس نے بہت سی حکومت مخالف اہم شخصیات اور دیگر افراد کو قتل کرکے اِن کی لاشوں کو ایک جگہ جمع کر رکھا تھا، جہاں ان کے ڈھانچے اس وقت تک بھی موجود تھے۔

منصور عباسی نے اپنے دورِ خلافت میں بنی الحسن، بنی ہاشم اور یہاں تک کہ خود اپنے قریبی رشتہ داروں میں سے بہت ساری اہم اور مشہور شخصیات کو قتل کرایا تھا جن کے ڈھانچوں سے ایک اسٹور بھر چکا تھا۔ منصور عباسی جب اِن تمام افراد سے نمٹ چکا تو اب امام جعفر صادق علیہ السلام کی باری آئی اور اُس نے آپؑ کو بھی زہر دے کر شہید کر دیا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت کے بعد بنو عباس کی سیاسی زندگی میں اب کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی تھی۔ کچھ اِس قسم کے حالات میں جب منصور عباسی اپنے اقتدار کے عروج پر تھا تو حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے دورِ امامت کا آغاز ہوا۔ جبکہ آپؑ ابھی نوجوان ہی تھے۔ تمام تر حفاظتی انتظامات کے ساتھ، یہاں تک کہ جو لوگ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد یہ جاننا چاہتے تھے کہ وقت کے امامؑ کون ہیں اور انہیں کس سے رجوع کرنا چاہیے؟ تو وہ بڑی مشکل سے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تک پہنچ پاتے تھے اور آپؑ بھی انہیں یہ نصیحت فرماتے تھے کہ خبردار ہوشیار رہنا اگر دشمن کو معلوم ہوگیا کہ تم لوگ مجھ سے ملتے ہو، مجھ سے رابطے میں ہو اور مجھ سے اسلامی تعلیمات حاصل کرتے ہو تو اس کا مطلب ''الذّبح'' یعنی قتل ہو جانا ہے۔ پس امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کچھ ایسے حالات میں منصبِ امامت پر فائز ہوئے اور اپنی جدّ و جہد کا آغاز فرمایا۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے منصبِ امامت پر فائز ہونے کے بعد، کس طرح جدّ و جہد کی، کونسا کارنامہ انجام دیا، کن لوگوں کو جمع کیا، کہاں کہاں تشریف لے گئے اور آپؑ کے اِس پینتیس (۳۵) سال دورِ امامت میں کون کونسے

واقعات رونما ہوئے، تو بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اِن سوالات کا میرے پاس کوئی واضح جواب نہیں ہے اور یہ چیز ایک ایسے شخص کے لیے انتہائی دکھ کی بات ہے جو صدرِ اسلام پر تحقیق کرتا ہو، کیونکہ اِس حوالے سے ہمارے پاس کوئی چیز موجود نہیں ہے، یعنی امام موسیٰ کاظمؑ کے ۳۵ سالہ دورِ امامت کے حالات و واقعات مرتّب اور مدوّن صورت میں موجود نہیں ہیں۔ میں یہ جو عرض کر رہا ہوں کہ اِس حوالے سے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی اور نہ کسی نے کوئی تحقیق کی ہے، تو میرا مطلب یہ ہے کہ محققین کو یہ کام کرنا چاہیے کیونکہ بہت سی پراکندہ اور بکھری ہوئی باتیں اور واقعات موجود ہیں جنہیں جمع کرکے اِن سے بہت کچھ سیکھا اور سمجھا جا سکتا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے پینتیس (۳۵) سالہ دورِ امامت میں بنو عباس کے چار خلفاء نے حکومت کی ہے؛ اُن میں سے ایک منصور عباسی ہے جو امامؑ کے پہلے دس سالہ دورِ امامت میں برسرِاقتدار رہا۔ اُس کے بعد اس کا بیٹا مہدی عباسی خلیفہ بنا اور وہ بھی دس سال تک اقتدار پر بیٹھا رہا۔ مہدی کے بعد اُس کا بیٹا ہادی ایک سال تک منصبِ خلافت پر بیٹھا اور ہادی کے بعد ہارون عباسی تقریباً بارہ تیرہ سال تک برسرِ اقتدار رہا۔ ہارون عباسی سمیت اِن تمام خلفاء کے دورِ حکومت میں امام موسیٰ کاظمؑ لوگوں کو امامت کی طرف دعوت دیتے رہے اور اِن چاروں خلفاء میں سے ہر ایک کسی نہ کسی طریقے سے امام موسیٰ کاظمؑ کو کوئی نہ کوئی تکلیف پہنچانے کی کوششیں بھی کرتا رہا ہے۔

امام موسیٰ کاظمؑ کی جلاء وطنی اور بار بار اسارت

منصور دوانیقی نے امام موسیٰ کاظمؑ کو بغداد طلب کیا؛ یعنی آپؑ کو اپنے گھر اور اپنے شہر سے جلاء وطن کرکے زبردستی بغداد طلب کیا۔ البتہ یہ باتیں جو میں عرض کر رہا ہوں یہ امام موسیٰ کاظمؑ کی زندگی میں پیش آنے والے بعض واقعات ہیں۔ جب انسان آپؑ کی حیاتِ طیّبہ کا بغور مطالعہ کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کی زندگی اِس قسم کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ انہیں واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ آپؑ کو زبردستی

مدینہ سے بغداد لایا گیا۔ بغداد لانے کے بعد ایک عرصہ تک آپؑ کو نظر بند رکھا گیا اور آپؑ پر بہت زیادہ سختی کی گئی۔ جیسا کہ روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کو بالکل تنہا اور سخت پہرے میں رکھا گیا تھا۔ یہ آپؑ کی زندگی کا ایک واقعہ ہے، لیکن یہ سلسلہ کتنے عرصے تک جاری رہا؟ یہ معلوم نہیں ہے۔ بظاہر ایک اور مرتبہ پھر اسی منصور ہی کے دورِ خلافت میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو جلاء وطن کرکے عراق کے علاقے ''ابجر'' بھیجا گیا۔ راوی کہتا ہے کہ جب میں وہاں پر حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے اِن واقعات کی تفصیل مجھ سے بیان کی۔

مہدی عباسی کے دورِ خلافت میں بھی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو کم از کم ایک مرتبہ مدینہ سے بغداد لایا گیا۔ راوی کہتا ہے کہ جس راستے سے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بغداد جا رہے تھے یا آپؑ کو لے جایا جا رہا تھا ''فِي الْمَقْدَمَةِ الْأُولَى'' یعنی جب پہلی مرتبہ آپؑ کو بغداد لے جایا جا رہا تھا (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کو کئی مرتبہ بغداد لے جایا گیا اور میرے خیال میں مہدی عباس کے دورِ خلافت میں آپؑ کو دو یا تین مرتبہ مدینہ منورہ سے بغداد لے جایا گیا ہے) چنانچہ راوی کہتا ہے کہ میں امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے افسوس اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا تو حضرتؑ نے فرمایا: ''تم پریشان مت ہو میں اِس سفر سے صحیح و سالم واپس لوٹ جاؤں گا اِس سفر میں یہ لوگ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔'' یہ ہے مہدی عباسی کا دورِ خلافت۔

ہادی عباسی کے دورِ خلافت میں بھی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو بغداد لا کر شہید کرنے کی کوششیں کی گئی تھیں، لیکن اہل بیتِ رسول علیہم السلام کے ساتھ بنو عباس کے اس رویّے پر ہادی عباسی کے دربار سے وابستہ ایک فقیہ کو دلی صدمہ ہوا اور اُس نے ہادی عباسی کو اپنے اِس منصوبے سے دستبردار ہونے پر آمادہ کیا۔ اسی طرح ہارون عباسی کے دورِ خلافت میں بھی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو بغداد بلایا گیا۔ میرے خیال میں ہارون کے دورِ خلافت میں بھی آپؑ کو ایک سے زیادہ مرتبہ اپنے شہر مدینہ منورہ سے جدا کیا گیا، لیکن مسلم یہ ہے کہ حضرتؑ کو ایک بار یقینی طور پر مدینہ سے بغداد لاکر وہاں کے مختلف قید خانوں میں قید رکھا گیا یہاں تک کہ بغداد ہی میں ''سندی ابن شاہک''

کے قید خانے میں آپؑ کو (زہر دے کر) شہید کر دیا گیا۔

قارئین کرام! ذرا غور کیجئے کہ اِس چونتیس یا پینتیس سالہ دور میں آپؑ اپنے فرائضِ منصبی کو نبھاتے ہوئے مسلسل نظریۂ امامت کی تبلیغ میں مشغول دکھائی دیتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اِس دوران آپؑ کے زمانے کے خلفاء نے متعدّد بار آپؑ کو شہید کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ منصور دوانیقی کا بیٹا مہدی عباسی جب پہلی مرتبہ خلیفہ بنا تو اس نے اپنے وزیر اور قریبی نگہبان شخص ''ربیع'' سے کہا کہ موسیٰ ابن جعفرؑ کا کام تمام کرنے کا کوئی منصوبہ بناؤ۔ کیونکہ اسے بخوبی معلوم تھا کہ اگر اس کے لیے کوئی خطرہ لاحق ہے تو وہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہی کی طرف سے ہے۔ اسی طرح جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ ہادی عباسی نے بھی اپنی خلافت کے آغاز ہی میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، یہاں تک کہ اس نے اس حوالے سے ایک شعر بھی کہا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے: ''بنو ہاشم کے ساتھ نرمی سے پیش آنے کا زمانہ اب ختم ہو گیا ہے اب تو میں نے یہ مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ تم میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا اور موسیٰ ابن جعفرؑ وہ پہلے شخص ہیں جن کا کام سب سے پہلے تمام کروں گا۔'' ہادی کے بعد اس کا بیٹا ہارون عباسی بھی یہی کچھ کرنا چاہتا تھا اور اس نے ایسا کر بھی دکھایا اور وہ اِس قبیح جرم کا مرتکب بھی ہوا۔ اب آپ غور کیجئے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے کس قسم کے حالات میں زندگی گزاری ہے۔

اِس کے علاوہ بھی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زندگی کے بہت سارے اذیت ناک چھوٹے بڑے واقعات موجود ہیں۔ یقیناً آپؑ کی زندگی کا ایک حصّہ روپوشی میں بھی گزرا ہے اور لوگوں کو بالکل معلوم نہیں تھا کہ آپؑ کہاں ہیں؟ اِس دوران خلیفۂ وقت لوگوں کو بلا بلا کر ان سے پوچھتا رہتا تھا کہ کیا تم نے موسیٰ ابن جعفرؑ کو دیکھا ہے؟ اور وہ کہتے تھے: نہیں ہم نے تو انہیں نہیں دیکھا! یہاں تک کہ (جیسا کہ روایت میں ہے) حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ایک شخص سے کہا کہ تجھ سے میرے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا لیکن تم بالکل انکار کر دینا اور اُن سے کہنا کہ میں نے انہیں نہیں دیکھا ہے اور بعد میں ایسا ہی ہوا اور اس شخص کو زندان میں ڈالا گیا تاکہ اس سے یہ بات

اُگلوائی جا سکے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کہاں پر روپوش ہیں۔

آپ اندازہ کیجئے کہ ایسی زندگی گزارنے والا شخص کون ہو سکتا ہے؟ ایک ایسا شخص جو صرف دینی احکام اور اسلامی معارف بیان کرتا ہو اور حکومتی معاملات سے کوئی سرو کار نہ رکھتا ہو، وہ کبھی ایسی مشکلات کا شکار نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بارے میں، میں نے ایک روایت میں پڑھا ہے کہ آپؑ اپنی روپوشی کے دوران شام کے گاؤں، دیہاتوں میں زندگی گزار رہے تھے۔ ''وَقَعَ مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ بَعْضَ قُرَاى الشَّامِ هَارِباً مُتَنَكِّراً فَوَقَعَ فِي غَارٍ''[1] یعنی روایات میں ہے کہ ایک مدّت تک امام موسیٰ کاظم علیہ السلام مدینہ میں موجود ہی نہیں تھے بلکہ شام کے دیہاتوں میں حکومتی جاسوس آپؑ کا پیچھا کر رہے تھے اور آپؑ اپنا لباس بدل کر اجنبی شخص کے بھیس میں ایک دیہات سے دوسرے دیہات چلے جاتے تھے۔ چلتے چلتے آخر ایک غار تک پہنچتے ہیں اور اُس میں داخل ہو جاتے ہیں، جہاں ایک نصرانی بھی موجود تھا۔ حضرتؑ اس شخص کے ساتھ اسلام کی حقانیت کے بارے میں بحث و مناظرہ کرتے ہیں؛ یعنی اِس حال میں بھی آپؑ الٰہی فریضے کی انجام دہی سے، یعنی حقیقت بیان کرنے سے غافل نہیں رہتے۔ آپؑ اس نصرانی کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتے ہیں اور اسے مسلمان بناتے ہیں۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زندگی، جُہدِ مسلسل کا نمونہ

آپ دیکھیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زندگی کس قدر پُرجوش اور ولولہ انگیز واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ آج ہم یہاں بیٹھ کر یہ سوچتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ایک مظلوم، خاموش اور غیر جانبدار شخص تھے جو مدینہ میں خاموشی سے زندگی گزار رہے تھے اور حکومتی کارندوں نے ایسے ہی آپؑ کو گرفتار کرکے بغداد، کوفہ یا بصرہ میں قید کیا اور بعد میں زہر دے کر آپؑ کو شہید کر دیا گیا۔ جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے، بلکہ اس کے پیچھے ایک طویل جدّ و جہد اور تنظیمی اُمور کار فرما تھے۔ یہ ایک ایسی جنگ کا نتیجہ ہے کہ جس میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پورے عالمِ اسلام میں موجود اپنے بہت سارے پیروکاروں

---

[1]۔ بحار الانوار، ج۴۸، ص۱۰۵

اور چاہنے والوں کے ہمراہ حکومتِ وقت کے خلاف مشغولِ عمل تھے، یہی وجہ ہے کہ آپؑ کا وہ نافرمان بھتیجا جو دربارِ خلافت سے وابستہ تھا، ہارون عباسی کے ساتھ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بارے میں بات کرتے ہوئے یوں اظہار کرتا ہے: ''خَلِیْفَتَانِ یَجِیْءُ اِلَیْهِمَا الْخَرَاجُ'' وہ کہتا ہے کہ اے ہارون! تم یہ خیال نہ کرنا کہ روئے زمین میں صرف تم ہی خلیفہ ہو اور لوگ صرف تمہیں خراج دیتے ہیں، بلکہ اِس وقت عالمِ اسلام میں دو خلیفہ ہیں؛ ایک تم ہو اور دوسرے موسیٰ کاظم علیہ السلام ہیں۔ جس طرح لوگ تمہیں خراج دیتے ہیں، ایسے ہی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو بھی دیتے ہیں اور یہ ایک حقیقت بھی تھی۔ اگرچہ وہ تو یہ باتیں اپنی خباثت کی وجہ سے کر رہا تھا اور وہ اِن باتوں کے ذریعے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے خلاف خلیفہ کو بھڑکا رہا تھا، لیکن یہ اپنی جگہ ایک حقیقت بھی تھی کہ پورے عالمِ اسلام میں ایسے لوگ موجود تھے جن کے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ تعلقات اور روابط تھے لیکن وہ اِس حد تک نہیں تھے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کھلم کھلا کوئی مسلحانہ جدّ و جہد کر سکتے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کچھ ایسے حالات میں زندگی گزار رہے تھے یہاں تک کہ ہارون عباسی کی باری آ پہنچی، جب ہارون خلیفہ بن گیا تو اسلامی معاشرے میں کسی قسم کے اختلاف و انتشار کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ حکومتِ وقت کسی قسم کی پریشانی کے بغیر یک سوئی کے ساتھ اپنے معاملات چلانے میں مشغول تھی؛ لیکن اِس کے باوجود امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے حالاتِ زندگی اور آپؑ کی وسیع تبلیغات کا سلسلہ کچھ اِس طرح جاری تھا کہ اس سے نمٹنا حکمرانوں کے لیے کوئی آسان کام نہ تھا۔ چونکہ ہارون عباسی سیاست سے باخبر اور ایک انتہائی ہوشیار شخص تھا لہٰذا ہارون عباسی نے جو اقدامات کیے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ بذاتِ خود مکہ چلا گیا۔ مشہور مؤرّخ طبری کا خیال ہے کہ بظاہر تو ہارون عباسی حج کے لیے مکہ گیا تھا لیکن اُس کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ خود مخفی طور پر مدینہ جا کر حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو قریب سے دیکھے کہ آپؑ ہیں کیا؟ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ عظیم شخصیت جس کے بارے میں اتنی ساری باتیں کی جا رہی ہیں، جس کے اتنے سارے چاہنے والے موجود ہیں، یہاں تک کہ بغداد میں بھی ان سے محبت کرنے والے بہت سارے افراد موجود ہیں، یہ کس قسم کی شخصیت کے مالک ہیں؟ کیا واقعاً ان سے ڈرنا

چاہیے یا نہیں؟ لہٰذا وہ مدینہ آتا ہے اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کئی ملاقاتیں کرتا ہے۔ یہ ملاقاتیں ناقابلِ تصوّر حدّ تک اہم اور حسّاس ہیں۔ ان میں سے ایک ملاقات مسجد الحرام میں ہوئی جس میں بظاہر اجنبی کے طور پر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہارون کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں اور دونوں کے درمیان سخت باتوں کی تکرار ہوتی ہے جس میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام لوگوں کی موجودگی میں ہارون کی شان و شوکت خاک میں ملا دیتے ہیں۔ اُس وقت ہارون امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو نہیں پہچانتا تھا۔

اِس کے بعد ہارون عباسی مدینہ آتا ہے اور وہاں بھی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ کئی ملاقاتیں کرتا ہے یہ ملاقاتیں انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔ میں اِس حدّ تک اشارہ کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں تاکہ جو لوگ اہلِ مطالعہ اور اہلِ تحقیق ہیں اور اِس قسم کے مسائل میں دلچسپی رکھتے ہیں وہ اِن مسائل پر تحقیق کریں اور اِن کی بنیادوں تک پہنچ جائیں۔ منجملہ یہ کہ ہارون عباسی اِن ملاقاتوں میں وہ سارے کام کرتا ہے جو اپنے کسی مخالف شخص کو رام کرنے، نیز ایک حقیقی مجاہد کو زیر کرنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں، یعنی دھمکی، لالچ اور دھوکہ دہی وغیرہ۔

(۱۲۔۰۴۔۱۹۸۵ء)

ہارون عباسی خلیفہ بننے کے بعد جب پہلی مرتبہ مدینہ آیا تو اُس نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو بڑی عزّت دی اور آپؑ کا احترام کیا۔ اِس سلسلے میں مامون کی زبانی ایک مشہور واقعہ بھی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب ہم مدینہ گئے تو ایک دفعہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ایک گدھے پر سوار ہو کر اس محل میں پہنچے جہاں میرے والد ہارون نے قیام کر رکھا تھا اور جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سواری سے اُترنے لگے تو ہارون نے قسم دے کر کہا: نہیں! آپؑ میری مسند تک اپنی سواری پر ہی تشریف لائیں۔ چنانچہ آپؑ اپنی سواری پر ہی ہارون کی مسند تک چلے آئے۔ اِس کے بعد ہارون انتہائی عزّت و احترام سے آپؑ کے ساتھ پیش آیا اور جب آپؑ جانے لگے تو ہم سے کہا کہ تم سب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی سواری کی رکاب تھامے رکھو۔ البتہ دلچسپ بات یہ ہے کہ مامون اپنی اسی روایت میں کہتا ہے کہ میرا باپ ہارون جو سب کو پانچ ہزار اور دس ہزار

دینار دیتا تھا اُس نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو صرف دو سو دینار دیئے، جبکہ اس سے پہلے ہارون نے امامؑ سے احوال پرسی کی تھی تو آپؑ نے فرمایا تھا کہ میری اولاد زیادہ ہے جس کی وجہ سے بے شمار مسائل ہیں اور میری مالی حالت بھی اچھی نہیں ہے۔

ہارون کے ساتھ امامؑ کی یہ گفتگو بھی بڑی دلچسپ ہے۔ میری نظر میں ہارون عباسی کے ساتھ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اِس قسم کی گفتگو ہمارے لیے بالکل واضح اور قابلِ فہم ہے کہ کس طرح ایک انسان کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ ہارون جیسے شخص سے اپنے مسائل بیان کرے اور کہے کہ جی ہاں! ہماری مالی حالت خراب ہے، گزر بسر نہیں ہو رہا اور اِس قسم کی باتوں کا مطلب کسی سے اپنی حاجت طلب کرنا اور دستِ نیاز دراز کرنا نہیں، بلکہ جو شخص ایسے تجربات سے گزر چکا ہو، وہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اِن باتوں کا مطلب کیا ہوتا ہے؟

میں جانتا ہوں کہ آپ میں سے بہت سارے لوگوں نے شاہی دورِ حکومت کے اُن مشکل اور کٹھن ایام میں اِس قسم کے بہت سے طریقے اپنائے ہوں گے، اس لیے یہ باتیں آپ لوگوں کے لیے بالکل قابلِ فہم ہیں۔ اب جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہارون عباسی سے اِس طرح کی باتیں کرتے ہیں تو اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہارون کو چاہیے کہ امامؑ سے یہ کہتے ہوئے کہ اگر آپؑ کو یہ پریشانیاں درپیش ہیں تو یہ لیجئے پچاس ہزار دینار آپؑ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، بلکہ صرف دو سو دینار امامؑ کی خدمت میں پیش کیے۔

مامون کہتا ہے کہ بعد میں، میں نے اپنے باپ ہارون سے پوچھا کہ آپ نے کیوں ایسا کیا؟ تو ہارون نے کہا: اگر میں انہیں اس سے زیادہ دینار دے دیتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ (اِن پیسوں سے) ہاتھوں میں تلواریں لیے بیٹھے خراسانیوں کو میرے خلاف منظّم کریں اور دو لاکھ لوگوں کو لے کر مجھ پر حملہ آور ہو جائیں۔ یہ تھے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بارے میں ہارون کے تاثرات اور خیالات، جو اس کے اپنے اعتبار سے صحیح بھی تھے۔ اب بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ امامؑ (ہارون کے سامنے) توریّہ اور تقیّہ سے کام لے رہے تھے؛ لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ یہ

ایک حقیقت تھی کیونکہ جس دور میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہارون عباسی کے خلاف جہاد میں مشغول تھے اگر اُس وقت آپؑ کے پاس پیسے ہوتے تو ایسے بہت سارے لوگ موجود تھے جو امامؑ کے ہمرکاب ہو کر (حکمرانوں کے خلاف) جنگ کے لیے تیار ہو جاتے۔ اِس کی بہت سی مثالیں ہمارے ائمہ معصومین علیہم السلام کے علاوہ، دوسرے حکومت مخالف عناصر کے یہاں بھی ملتی ہیں۔ جیسا کہ ہارون سے پہلے موسیٰ الہادی کے دورِ خلافت میں حسین ابن علی (شہیدِ فخؒ) اور دوسرے لوگوں کی تحریکیں اِس بات کی واضح علامت ہیں، تو آپ اندازہ لگایئے کہ اگر خود ائمہ معصومین علیہم السلام حکمرانوں کے خلاف قیام فرماتے تو اِس صورت میں کتنے لوگوں کو اپنے ارد گرد جمع کرتے، اس نکتے کو ہارون عباسی بہت اچھی طرح سمجھتا تھا۔

(۱۹۔۰۷۔۱۹۸۶ء)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو فدک کی پیشکش اور امامؑ کا جواب

ہارون عباسی نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ اپنی اِن ملاقاتوں میں جن اُمور پر بات چیت کی، اُن میں سے ایک فدک کا معاملہ بھی ہے۔ وہ کہتا ہے: آپ بنو ہاشم ”فدک“ سے محروم ہو گئے اور آل علیؑ سے فدک کو چھین لیا گیا۔ اب میں فدک آپ لوگوں کو واپس لوٹانا چاہتا ہوں، آپؑ بتائیں کہ فدک کہاں تک ہے اور اِس کی حدود کیا ہیں؟ تاکہ میں اسے آپ لوگوں کو لوٹا سکوں۔

ظاہر ہے کہ یہ فدک کے نام پر ایک دھوکہ اور فریب تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اہلِ بیت علیہم السلام کا غصب شدہ حق انہیں واپس دلانے کے بہانے لوگوں کے ذہنوں میں اپنے بارے میں اچھے تاثرات پیدا کرے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ہارون سے فرمایا: بہت اچھا! اب جبکہ تم فدک ہمارے حوالے کرنا ہی چاہتے ہو تو میں اس کی حدود بیان کرتا ہوں۔ امامؑ نے فدک کی حدود بیان کرنا شروع کیں اور اُس زمانے کی پوری اسلامی مملکت کو فدک کی حدود میں شامل قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ فدک یہ ہے۔ یعنی کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اُس وقت ہمارا دعویٰ صرف ایک ایسے باغ پر تھا جس میں چند ایک کھجور کے درخت لگے ہوئے تھے؟

یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ یاد رکھو! اُس وقت بھی ہمارا دعویٰ صرف ایک باغ اور کھجور کے چند درختوں پر نہیں تھا بلکہ مسئلہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت اور جانشینی کا تھا، مسئلہ اسلامی حکومت کی رہبری اور قیادت کا تھا۔ لیکن اُس دور کے لوگوں کے خیال میں جو چیز ہمیں خلافت سے محروم کر سکتی تھی، وہ فدک کو ہم سے چھین لینا تھا۔ اس لیے ہم اس کے مقابلے میں مزاحمت کرتے تھے اور آج بھی ہماری جس چیز کو تم نے غصب کر رکھا ہے وہ صرف باغِ فدک نہیں کہ جس کی کوئی اہمیت نہیں ہے، بلکہ وہ پوری اسلامی مملکت ہے۔ لہٰذا امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اسلامی مملکت کی حدود اربعہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فدک یہ ہے۔ اب اگر تم فدک واپس لوٹانا چاہتے ہو تو اسے ہمارے حوالے کر دو۔ یعنی آپؑ واضح الفاظ میں اسلامی مملکت کی قیادت و رہبری اور خلافت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

(۱۲۔۰۴۔۱۹۸۵ء)

چنانچہ واقعہ کچھ یوں ہے کہ ہارون عباسی نے کہا: ”خُذْ فَدَکاً حَتّٰی أَرُدَّهَا اِلَیْکَ“ آپؑ فدک کی سرحدیں معیّن فرمایئے تاکہ میں اسے آپؑ کو واپس لوٹا دوں۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے شروع میں تو اِس کام سے انکار کیا (لیکن جب ہارون نے اصرار کیا تو آپؑ نے فرمایا:) ”لَا آخُذُهَا اِلَّا بِحُدُوْدِهَا“؛ یعنی میں اِس کی اصلی حدود کے ساتھ ہی لوں گا۔ ہارون کہتا ہے: بہت اچھا! آپؑ حدود کو معیّن تو کیجئے۔ بہت ہی دلچسپ بات ہے کہ آپؑ فدک کی حدود بیان کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:”أَمَّا الْحَدُّ الْاَوَّلُ فَعَدَن“ اِس کی پہلی سرحد ”عَدَن“ ہے۔ اب یہ دونوں مدینہ یا بغداد میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں اور آپؑ نے فرمایا کہ اِس کی پہلی حدّ تو عدن ہے جو جزیرۃ العرب کی آخری سرحد ہے۔ ”فَتَغَیَّرَ وَجْهُ الرَّشِیْدِ“ یہ سن کر ہارون کے چہرے کا رنگ بدل گیا: ”وَ قَالَ أَیْهاً“ اور اُس نے کہا: تعجب ہے! ”قَالَ: وَالْحَدُّ الثَّانِي سَمَرْقَنْد“ امامؑ نے فرمایا: اِس کی دوسری سرحد ”سمرقند“ ہے۔ ”فَارْبَدَّ وَجْهُهُ“ یہ سن کر ہارون کا چہرہ ماند پڑ گیا! ”وَالْحَدُّ الثَّالِثُ اِفْرِیْقِیَة“ اِس کی تیسری سرحد افریقہ (تیونس) ہے۔ ”فَاسْوَدَّ وَجْهُهُ“ یہ سن کر ہارون کے چہرے کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ ”وَ قَالَ هِیَه“ ہارون نے ہنستے ہوئے تعجب سے کہا: یہ کیسی باتیں کرتے ہیں! ”قَالَ وَالرَّابِعُ سَیْفُ الْبَحْرِ مِمَّا یَلِی الْجُزُرَ وَ اِرْمِیْنِیَة“ امامؑ نے فرمایا: اِس کی چوتھی سرحد ارمنستان تک پھیلے ہوئے سمندر کے ساحل اور جزائر ہیں (یعنی

مڈیٹیرین سمندر ”Mediterranean Sea“ کے اطراف تک کا پھیلا ہوا تمام علاقہ)۔[1]

”قَالَ الرَّشِیْدُ: فَلَمْ یَبْقَ لَنَا شَیْءٌ“ یہاں ہارون نے کہا: اس طرح تو ہمارے لیے کوئی چیز باقی نہیں رہتی ہے۔ ”فَتَحَوَّلْ اِلَی مَجْلِسِی“ پھر تو آپؑ آیئے اور میری جگہ پر بیٹھ جایئے۔ ”قَالَ مُوسَیٰ قَدْ أَعْلَمْتُکَ أَنَّنِی اِنْ حَدَّدْتُھَا لَمْ تَرُدُّھَا“ امام عالی مقامؑ نے فرمایا: میں نے تو تم سے کہا تھا کہ اگر میں اِس (فدک) کی سرحدیں معیّن کروں گا تو تم اسے واپس نہیں لوٹاؤ گے۔ ”فَعِنْدَ ذٰلِکَ عَزَمَ عَلَی قَتْلِهِ“[2] اِس کے بعد ہارون نے امامؑ کے قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

(۱۹۔۰۷۔۱۹۸۶ء)

مدینہ کے اِس سفر کے دوران جب ہارون عباسی پیغمبر اکرمﷺ کے روضۂ اطہر میں داخل ہوا اور اپنے آس پاس موجود لوگوں کے سامنے رسولِ اکرمﷺ سے اپنی رشتہ داری ظاہر کرنے کی خاطر کھڑے ہو کر اس نے یوں سلام کیا: ”اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَابْنَ عَمّ“ یعنی ہارون ”یَا رَسُولَ اللهِ“ نہیں کہتا، بلکہ کہتا ہے: اے میرے چچا کے بیٹے! تجھ پر میرا سلام ہو۔ یعنی ہارون لوگوں کے سامنے یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ رسولِ اکرمﷺ کے چچا کا بیٹا ہے۔ اتنے میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بغیر کسی توقّف کے آگے بڑھتے ہیں اور رسولِ اکرمﷺ کی ضریح مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر کہتے ہیں: ”اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَاً“ اے بابا جان! آپؐ پر میرا سلام ہو؛ یعنی اگر رسولِ اکرمﷺ تیرے چچا زاد ہیں تو میرے بابا ہیں۔ یوں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے تمام لوگوں کے سامنے ہارون عباسی کی ظاہری شان و شوکت کو خاک میں ملا دیا۔

جو لوگ ہارون عباسی کے حواری تھے انہیں بھی اِس بات کا بخوبی احساس ہو گیا تھا کہ اگر حکومتی مشینری کو کسی شخص کی طرف سے کوئی خطرہ لاحق ہے تو وہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہی ہیں۔ ہارون کے اِس سفر مدینہ کے دوران حکومتی مشینری سے وابستہ ایک

۱۔ ”Mediterranean Sea“ وہ سمندر ہے جو ”اوقیانوس اطلس“ سے متصل ہے اور یہ سمند شمال سے یورپ، جنوب سے افریقہ اور مشرق سے ایشیاء کے تین برِّ اعظموں کو آپس میں ملاتا ہے اور اسے ”بحرِروم“ اور ”بحرابیض“ بھی کہتے ہیں۔

۲۔ بحار الانوار، ج۴۸، ص۱۴۴

شخص وہاں کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا کہ امامؑ اشراف اور اہم شخصیات کی طرح کسی اعلیٰ نسل کے قیمتی گھوڑے پر سوار ہونے کے بجائے، انتہائی سادگی کے ساتھ ایک گدھے پر سوار ہو کر تشریف لاتے ہیں اور لوگ آپؑ کے احترام میں راستے سے ہٹ جاتے ہیں۔ اُس شخص نے پوچھا کہ یہ کون تھا کہ جس کے آنے پر تمام لوگ اُس کے سامنے احترام سے جھک گئے، یہاں تک کہ خلیفہ کے ارد گرد گھومنے والوں نے بھی انہیں جگہ دی ہے؟ اس شخص سے کہا گیا کہ یہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہیں۔ امامؑ کا نام سنتے ہی وہ کہنے لگا: افسوس ہو اِس قوم (یعنی بنو عباس) کی حماقت اور بےوقوفی پر! جو شخص اِن کے مرنے کی تمنّا کرتا ہے، جو اِن کی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجانا چاہتا ہے، یہ لوگ اس شخص کا اتنا احترام کر رہے ہیں؟

پس سب کو معلوم تھا کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا وجود، حکومتی مشینری کے لیے خطرے کی علامت ہے کیونکہ آپؑ ایک ایسے رہبر اور قائد تھے، جو علم و معرفت، تقویٰ و پرہیزگاری اور عبودیت و بندگیِ الٰہی میں اِس قدر مشہور تھے کہ جو لوگ آپؑ کو جانتے تھے وہ آپؑ کی اِن تمام اوصاف سے بھی باخبر تھے اور پورے عالمِ اسلام میں آپؑ کے دوستوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ آپؑ اتنے شجاع اور بہادر تھے کہ کسی بھی ظالم و جابر کی شان و شوکت سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؑ ہارون عباسی کی ظاہری شان و شوکت کو خاطر میں لائے بغیر بےدھڑک حق بات کہہ دیتے ہیں۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مظلومانہ شہادت

ایک ایسی مجاہد و مبارز شخصیت کا وجود، جس کا رابطہ اللہ سے ہو، جسے اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل بھروسہ ہو اور پورے عالمِ اسلام میں جس کے چاہنے والوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہو، جو معاشرے میں حقیقی معنوں میں ایک اسلامی حکومت قائم کرنے اور اسلامی نظام نافذ کرنے کے حوالے سے ایک منصوبہ بھی رکھتا ہو، یقیناً ایسے شخص کا وجود ہارون کی حکومت کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ ہو سکتا تھا۔ لہٰذا ہارون عباسی اپنے سامنے سے اِس

بڑی رکاوٹ اور خطرے کو ہٹانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ چونکہ ہارون ایک چالاک سیاست دان اور سمجھ دار آدمی تھا اس لیے اُس نے ایک دم سے یہ کام انجام نہیں دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طریقے سے بالواسطہ اِس کام کو انجام دیا جائے۔ لہٰذا اُس نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو قید کرنے کا منصوبہ بنایا تاکہ قید خانے میں آپؑ کے ساتھ کوئی ساز باز کر سکے اور آپؑ کو کوئی عہدہ دے کر یا ڈرا دھمکا کر اپنے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر سکے۔

چنانچہ اُس نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو مدینے میں اِس طریقے سے گرفتار کی جائے کہ اہلِ مدینہ کو پتا بھی نہ چل سکے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ کیا معاملہ ہوا ہے۔ لہٰذا مدینے میں دو سواریاں اور محمل تیار کیے گئے اور ان میں سے ایک کو عراق اور دوسری کو شام کی طرف لے جایا گیا، تاکہ لوگوں کو یہ پتا نہ چل سکے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو کہاں لے جایا گیا ہے؟ امامؑ کو گرفتار کرکے دارالحکومت بغداد لایا گیا اور وہاں پر ایک طویل عرصے تک قید خانے میں رکھا گیا۔ البتہ یہ احتمال ہے لیکن یہ حتمی نہیں ہے کہ آپؑ کو ایک مرتبہ قید سے رہا کرکے دوبارہ گرفتار کر لیا گیا ہو۔ لیکن یہ بات مسلم ہے کہ آخری مرتبہ آپؑ کو اسی مقصد کے تحت گرفتار کیا گیا تاکہ آپؑ کو قید خانے ہی میں شہید کر دیا جائے اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔

البتہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شخصیت قید خانے میں بھی ایک ایسی مشعل کی مانند تھی جو اپنے تمام اطراف کو روشن کرتی ہے۔ آپ توجہ کیجئے سچی بات تو یہ ہے کہ اسلامی فکری تحریک اور قرآن کی نظر میں جہاد کبھی نہیں رُکتا۔ یہاں تک کہ مشکل ترین حالات میں بھی وہ جاری و ساری رہتا ہے۔۔۔ یہ وہی کام ہے جسے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے انجام دیا۔ اِس سلسلے میں بے شمار واقعات اور احادیث و روایات موجود ہیں۔ انہیں روایات میں سے ایک انتہائی دلچسپ روایت یہ ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ مشہور زندان بان "سندیؔ ابن شاہک" ایک انتہائی طاقتور، سنگدل، بنو عباس کا پالتو اور حکومتی و خلافتی مشینری کا وفادار شخص تھا۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اسی شخص کے قید خانے میں تھے جس نے آپؑ کو اپنے گھر کے زیر زمین ایک انتہائی تنگ و تاریک تہہ خانے میں قید کر رکھا تھا۔ سندیؔ

ابن شاہک کے اہلِ خانہ بعض اوقات کسی سوراخ سے قید خانے کا جائزہ لیتے تھے۔ جس کی وجہ سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے طرزِ زندگی نے انہیں حیرت زدہ اور متاثر کر دیا تھا اور ان لوگوں کے دلوں میں اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام کی محبت پیدا ہوگئی تھی۔ اسی سندیؔ ابن شاہک کی اولاد میں سے ''کشاجم'' نامی شخص کا شمار تشیع کے بزرگوں میں ہوتا ہے جو شاید ایک یا دو نسل کے بعد تھا۔ تمام تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ کشاجم اپنے زمانے کے مشہور اُدباء، شعراء اور اہلِ تشیع کے بزرگان میں سے تھا؛ یعنی اُس کا نام کشاجم السندی تھا اور وہ سندیؔ ابن شاہک کی نسل سے تھا۔

یہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا طرزِ زندگی ہے جسے آپؑ نے قید خانے میں اختیار کر رکھا تھا۔ البتہ اِس دوران بھی حکمران آپؑ کو ڈراتے، دھمکاتے اور طمع و لالچ دینے کی مسلسل کوششیں کرتے رہے، وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح امامؑ کو راضی کر لیں؛ لیکن آپؑ خوفِ الٰہی، لطفِ الٰہی اور اپنے پروردگار کی ذاتِ بابرکت پر بھروسے کے ذریعے حکمرانوں کے مقابلے میں پوری قاطعیت سے ڈٹے رہے اور یہی آپؑ کی ثابت قدمی ہے جس کی وجہ سے آج دینِ اسلام اور قرآن محفوظ ہیں۔ یہ یاد رکھیں کہ ظلم و جَور اور فسق و فجور کے مقابلے میں ہمارے ائمہ معصومین علیہم السلام کی اسی استقامت کے نتیجے میں حقیقی اسلام آج تک باقی ہے۔ آج اگر عالمِ اسلام یا عالمِ انسانیت کے سامنے اسلام، قرآن اور سنتِ پیغمبرؐ نام کی کوئی چیز کتابوں میں باقی ہے چاہے وہ اہلِ تشیع کی کتابوں میں ہو یا اہلِ سنت کی کتابوں میں، تو یہ سب کچھ ائمہ معصومین علیہم السلام کی ڈھائی سو سالہ (۲۵۰) انتھک جدّ و جہد اور سخت جہاد ہی کے مرہونِ منت ہے۔ ورنہ بنو اُمیہ اور بنو عباس دور کے ضمیر فروش اہلِ قلم اور خطباء نے اسلامی تعلیمات میں اتنے انحرافات پیدا کر دیئے تھے کہ ایک دو صدیوں کے بعد اسلام کا نام و نشان بھی باقی رہنا مشکل تھا۔ کوئی قرآن باقی نہیں رہتا اور اگر باقی بچتا تو بھی وہ صحیح و سالم نہیں ہوتا بلکہ تحریف شدہ ہوتا۔

تاریخ اسلام کے یہ لہراتے پرچم، یہ نور افشاں مشعلیں، یہ اُونچے اور روشن منارے کہ جن کے صبر و استقامت نے اسلام کی روشنی کو اِس طرح دنیا میں پھیلایا کہ جو لوگ

باطل کے اندھیرے میں حقائق کو مسخ کرنا چاہتے تھے، جو معاشرے کو تاریکی میں ڈبونا چاہتے تھے وہ اپنے اِس ہدف میں مکمل طور پر ناکام رہے۔ ائمہ معصومینؑ کے شاگردوں میں صرف شیعہ ہی نہیں تھے بلکہ تمام اسلامی فرقوں کے لوگ شامل تھے؛ یعنی ائمہ اطہارؑ کے شاگردوں میں بہت سے ایسے لوگ بھی موجود تھے جو شیعہ عقائد کے حامل نہیں تھے، وہ نظریۂ امامت کو نہیں مانتے تھے لیکن وہ ائمہ معصومینؑ سے تفسیر، قرآن، حدیث اور سنتِ پیغمبرؐ کا درس لیتے تھے۔ لہٰذا ائمہ اطہارؑ کے صبر و استقامت نے آج تک اسلام کو زندہ رکھا ہے۔

آخر کار حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو قید خانے میں زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔ ائمہ اطہارؑ کی تاریخ کے تلخ ترین واقعات میں سے ایک یہی امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت ہے۔ البتہ حکمران اِس واقعے پر بھی پردہ ڈالنا چاہتے تھے۔ اس لیے آپؑ کی زندگی کے آخری دنوں میں سندی ابن شاہک بغداد کے بعض مشہور سرداروں اور بزرگوں کو آپؑ کی خدمت میں بلا کر لاتا ہے اور کہتا ہے: آپ لوگ دیکھ لیں کہ موسیٰ ابن جعفرؑ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں، انہیں کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہے۔ اِس موقع پر آپؑ بغداد کے اکابرین سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں: ”جی ہاں! لیکن آپ لوگوں کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ انہوں نے مجھے زہر دے دیا ہے۔“ اِن ظالموں نے امامؑ کو کھجور کے چند دانے کھلا کر اس حالت میں زہر دے کر شہید کیا جب آپؑ کے ہاتھ پاؤں اور گردن طوق و زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے اور اسی حالت میں امامِ مظلوم اور بزرگوارؑ کی روحِ پُرفتوح نے قید خانے سے ملکوتِ اعلیٰ کی طرف پرواز کی۔

لیکن اِس کے باوجود بھی ظالم حکمران آپؑ سے ڈرتے تھے؛ آپؑ کے جنازے سے ڈرتے تھے، آپؑ کی قبرِ مطہر سے خائف تھے۔یہی وجہ ہے کہ جب قید خانے سے آپؑ کا جنازہ باہر نکالا جا رہا تھا تو وہ لوگ یہ اعلان کرتے جا رہے تھے کہ یہ اُس شخص کا جنازہ ہے جس نے حکومتِ وقت کے خلاف بغاوت کی تھی۔ یہ سب کچھ اِس لیے کہہ رہے تھے تاکہ آپؑ کی شخصیت اور کردار کو لوگوں کی نظروں کے سامنے داغدار کیا جا سکے۔ اُس وقت حکومتی مشینری کے لیے حالات اِس قدر مخدوش ہو چکے تھے کہ حکومتی عہدوں پر فائز

افراد میں سے ایک شخص سلیمان ابن جعفر (سلیمان ابن جعفر ابن منصور عباسی، یعنی ہارون عباسی کا چچازاد بھائی جس کا شمار بنو عباس کے اہم افراد میں ہوتا تھا) نے جب دیکھا کہ اِس صورت میں تو اُن کی مشکلات میں اضافہ ہو سکتا ہے تو اُس نے ایک نئے منصوبے کو اپنے ذمے لیا اور اُس نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے جسدِ مطہر کو ایک قیمتی کفن پہنایا اور جنازے کو انتہائی عزّت و احترام کے ساتھ بغداد کے نزدیک قریش کے قبرستان میں اُس مقام پر، جسے ہم آج "کاظمین" کے نام سے جانتے ہیں، دفنا دیا اور یوں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی جدّ و جہد اور جہاد سے بھرپور زندگی اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔

(۱۲-۰۴-۱۹۸۵ء)